خطباتِ حفیظ

مصنف

سید عبدالحفیظ شاہ

ناشر:

بیت المکرّم ٹرسٹ گجو

جملہ حقوق محفوظ

نشانِ اول.....ایک ہزار ایک

رمضان المبارک.....ماہ جولائی ۱۹۸۴ء

نگران.....غلام نبی جوکھیو

طباعت..... الخیر اعوان پریس کراچی

ترتیب و تصحیح ..... سید راشد علی

(جون ۲۰۰۹ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاثرات

گرامی قدر جناب سلیم یزدانی صاحب نے زیرِ نظر ملفوظات کا مسودہ اس فرمائش کے ساتھ دیا کہ میں اسکو پڑھوں اوراس کے بعد اپنے تاثرات قلمبند کروں۔ مجھے تعجب تو یہ ہے کہ یزدانی صاحب نے یہ کام میرے سپرد کیوں کیا جبکہ تصوف پر موصوف کا مطالعہ نہایت وسیع ہے۔اس کے علاوہ ان کا شمار دانشور، اہل علم اور صاحبِ قلم حضرات میں بھی ہے جبکہ میں ادیب ہوں نہ دانشور و نقاد، نہ تصوف پر گہری نظر رکھتا ہوں۔البتہ عرفاء وصلحاء کی خدمت میں بیٹھ کر کچھ سمجھنے کی کوشش کیا کرتا ہوں۔

بہر حال احباب کی خاطر بعض اوقات کڑوی گولیاں بھی نگلنی پڑتی ہیں۔یہی کیفیت اس وقت مجھ پر طاری ہے۔ یزدانی صاحب کا خلوص مجھے اس امر کے لئے مجبور کر رہا ہے کہ میں مسوّدہ کے بارے میں کچھ کہوں لیکن سمجھ کام نہیں کرتی کیا کہوں۔بہر حال اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کرم پر بھروسہ کر کے کچھ نہ کچھ کہنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

زیرِ نظر مسوّدہ جناب سید عبدالحفیظ صاحب کے ملفوظات مشتمل ہے۔یہاں جملہ معترضہ کے طور پر ایک بات عرض کروں کہ میں سید صاحب موصوف سے ناواقف ہوں۔ان سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ایک لائق و فائق شخصیت کا تعارف اس کا علمی کارنامہ ہوتے ہوئے اور یہی ملفوظ میرے لئے سید صاحب سے تعارف کا سبب بن رہے ہیں۔سید صاحب نے تصوف کے مسائل کو روزمرہ کی زبان میں ذہن نشین کرانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

میں یہاں یہ عرض کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ میں اس نقطۂ نظر کا حامل ہوں کہ اردو زبان کا دامن اتنا تنگ نہیں کہ ہمیں اظہارِ مدعا کیلئے الفاظ نہ مل سکیں اور ہم دوسری زبانوں کا سہارا لینے پر مجبور ہوں۔لیکن افسوس کہ زمانہ کی بدلتی ہوئی اقدار نے ہمیں اس امر کیلئے مجبور کر دیا ہے کہ اپنی گفتگو کے ہر جملہ میں انگریزی کا کم از کم ایک ثقیل لفظ ضرور استعمال کریں۔ اس سلسلہ میں مستثنیات بھی ہیں کہ ہمیں ایسے احباب کو کچھ ذہن نشین کرانا ہے، جو اردو زبان سے ناواقف ہیں۔یا وہ پوری طرح اردو کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ایسے مواقع پر اگر اردو کے ساتھ انگریزی یا کسی دوسری زبان کے الفاظ استعمال کئے جائیں تو غیر مناسب نہیں۔سید صاحب نے بھی اپنی گفتگو میں استثنا کے مدنظر انگریزی کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

ملفوظات کے زیرِ نظر صفحات میں نہ تو آپ کو زبان و بیان کی چاشنی نظر آئے گی، نہ اردو زبان کے روایتی چٹخارے بلکہ اپنے مفہوم کو سمجھانے کے لئے سید صاحب نے نہایت سادہ اور عام فہم زبان استعمال کی ہے۔لیکن بعض مقامات ایسے

بھی ہیں جو اس امر کے غماز ہیں کہ سید صاحب کو زبان و بیان پر پورا عبور حاصل ہے۔

زیرِ نظر صفحات میں موصوف نے سب سے پہلے مراقبہ کا تذکرہ کیا ہے۔ مراقبہ کیا ہے؟ یہ آپکو کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا۔ میں تو تفصیل سے قطع نظر یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ جس علم کی یہ اصطلاح ہے وہ خود کیا ہے؟ اسکی تعریف و تشریح کس طرح کی جاتی ہے میں خود کو اس کا اہل تو نہیں سمجھتا لیکن ایسے ہی ملفوظات کے مطالعہ اور بزرگوں سے سن کر جو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ تصوف کی تعریف میں بہت سے اقوال منقول ہیں اور ہر صاحب فہم نے اپنی صلاحیت کے مطابق اس کے بارے میں موشگافیاں کی ہیں۔

اکثریت کہنا یہ ہے (اور اس نے شہرت بھی حاصل کی ہے) کہ علمِ ظاہر کو شریعت اور روحانی و باطنی علوم کو طریقت و علم معرفت سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن جناب ابو اسحاق فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری قسمت کا ستارہ اوجِ ثریا پر پہنچا اور مجھے کونین کی بہترین نعمت میسر آئی اور عالمِ رویاء میں رحمتہ اللعالمین شفیع المذنبین واقف علوم اولین و آخرین نبی الکریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی تو میں نے دریافت کیا یارسول اللہ! علیک الصلاۃ والسلام! تصوف کی تعریف کیا ہے۔ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا التصوف ترک الدعاوی و کتمان المعانی یعنی دعوؤں کو ترک کرنے اور مطالب کو چھپانے کا نام تصوف ہے۔

علمِ ظاہر علم کتاب و سنت نبوی ﷺ کا نام ہے۔ اس کو علم الشریعت بھی کہتے ہیں۔ یہاں یہ بات توجہ طلب ہے کہ شریعت کے اتباع کامل میں نفس پر جبر و تشدد کا رونا رہتا ہے اور پابندی شریعت انسان کو کتاب و سنت کی پیروی اور عبادت الٰہی کی انجام دہی میں جنت کی خواہش اور دوزخ کا کھٹکا لگا رہتا ہے۔ اور یہی دونوں اسباب اسکو نفس پر جبر کر کے احکام پر عمل کے لئے مجبور کرتے ہیں۔ لیکن جب عبادت اور ریاضت اتباعِ سنتِ نبوی اور اعمال خیر پر عمل پیرا ہونے میں لذت محسوس ہونے لگتی ہے اور قال سے حال تک نوبت پہنچتی جاتی ہے تو اس منزل کو طریقت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس منزل پر آنے کے بعد شیطان کی رخنہ اندازی اور نفس کی نیش زنی کا اندیشہ زائل ہو جاتا ہے۔ اب نہ جنت کی خواہش ہوتی ہے نہ دوزخ کا کھٹکا رہتا ہے اب اس کا ہر عمل عاشقانہ اور والہانہ جذبات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

زمانے کی روش کے مطابق مجھے ملفوظات کے بارے میں تعریف و توصیف یا تنقیدی کلمات چاہئیں تھے لیکن مشک خود ہی کہہ دیتی ہے کہ میں مشک ہوں۔ مجھے اس سلسلے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ انکی افادیت کا اندازہ جتنا قاری کا ذہن کر سکتا ہے میرا قلم اس کو ضبط تحریر میں نہیں لا سکتا۔

والسلام

محمد اطہر نعیمی

اعزازی خطیب جامع مسجد آرام باغ کراچی، رکن صوبائی رویت ہلال کمیٹی (سندھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تخلیق انسانی کا مقصد جیسا کہ خود خالق کائنات جل وعلیٰ نے کلام حقانی میں ارشاد فرمایا صرف ''عبادت'' ہے۔

رب کائنات کی بارگاہ میں سجدہ ریزی ہی سے اس کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔انسان کے خود اپنے مقام کا تعین بھی عرفان سے ہوتا ہے۔اسی لئے ارشاد فرمایا گیا: ''من عرف نفسہ فقد عرف ربہٗ (جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا)

جگہ جگہ قرآن میں **لعلھم یتفکرون** اور اسی کے مماثل الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔فکر وتدبر سے انسان شعور حاصل کرتا ہے۔اور شعور مقام الوہیت کے حدود وعرفان تک پہنچاتا ہے۔مملکت عرفان تک رسائی کے لئے جو راستے متعین کئے گئے ہیں انہیں کو سلاسل کہا جاتا ہے۔ان سلاسل میں داخل ہونے والے یا اس راہ پر گامزن ہونے والے ان نشانات قدم کے ذریعہ اپنی منزل تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں جو اس راہ کے سالکین نے اس سے پہلے چھوڑے ہیں۔یہی سالکین ''مرشد'' ہیں اور اس راستہ پر قدم رکھنے والے 'مسترشد'۔

رشد وہدایت کے یہی طریقے 'طریقت' کے نام سے موسوم ہوتے ہیں۔سالکانِ مسالکِ طریقت،شریعت پر عمل اور اس کے اہتمام پر بڑا زور دیتے ہیں اسلئے کہ طریقت کا حصول بغیر شریعت پر عمل کے ممکن نہیں۔شریعت ظاہر ہے اور طریقت باطن۔شریعت جسم ہے اور طریقت اسکی روح،شریعت دروازہ ہے اور طریقت اس کا مکان۔اس مکان میں شریعت کے ذریعہ ہی داخلہ ہوا جاسکتا ہے۔

جو شخص شریعت کا عامل ہے وہی فکر وتدبر کا اہل ہے۔فکر وتدبر کے لئے یکسوئی اور حقیقت کے ادراک میں استغراق کا دوسرا نام 'مراقبہ' ہے۔مختلف سلاسل میں ''مراقبہ'' کے مختلف معانی اور مختلف طریقوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔زیر نظر رسالہ میں بھی انہی طریقوں میں سے ایک طریقہ کی تعلیم دی گئی ہے۔

جناب سید عبدالحفیظ شاہ صاحب کے یہ وہ ملفوظات ہیں جو انہوں نے وقتاً فوقتاً طالبانِ ہدایت کے سامنے ارشاد فرمائے ہیں۔یہ روزمرہ کی گفتگو ہے۔انہوں نے اپنی مجلسوں میں متوسلین کو مختلف انداز میں مختلف تفصیلات بتائی ہیں۔خصوصاً مراقبہ کی قسموں کا نام بتائے بغیر عوام کے مراقبہ،خواص کے مراقبہ،اور خاص الخواص کے مراقبہ کو تفصیل سے سمجھایا ہے۔دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ بطفیل سید الرسل ﷺ طالبین کو اس متمتع اور فیضاب ہونے کی توفیق خیر رفیق سے نوازے۔(آمین)

فقیر الی اللہ الباری سید شاہ محمد خالد فاخری غفرلہٗ

سجادہ نشین سلسلۂ فاخریہ خطیب مسجد بدر،حسن علی آفندی روڈ کراچی

عرض حال

کچھ لوگ ہوتے ہیں جو لوگوں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں جو ان سے ملتا ہے ان کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ لیکن ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ سید عبدالحفیظ شاہ بھی ایک ایسے ہی بزرگ ہیں۔ سفید ریش سفید بھنویں گورا رنگ، ہنستا مسکراتا چہرہ ۔ خاموش ہوں تو لوگ لب کشائی کے لئے منتظر۔ بولیں تو ایسا لگتا ہے کہ دریا بہہ رہا ہے الفاظ و بیان کا۔ نہ وہ لوگوں کو بلاتے ہیں اور نہ ہی وہ لوگوں کے ہجوم میں اٹھنا بیٹھنا پسند کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ہر روز ہر لمحہ لوگوں کا ٹھٹ لگا رہتا ہے۔ لوگ اپنا دکھ درد سنانے کیلئے آتے ہیں، ہنستے مسکراتے چلے جاتے ہیں۔ جو ان سے ایک دفعہ مل لیتا ہے پھر محبت، ہمدردی اور عقیدت کے رشتوں میں بندھ جاتا ہے۔

سید عبدالحفیظ شاہ سادہ لوح، منکر المزاج، ہمدرد، محبت کرنے والے اور ہر ایک کے کام آنے والے سیدھے سادھے مسلمان ہیں۔ نہ انہیں پیر و مرشد ہونے کا دعویٰ ہے نہ عالم ہونے کا۔ ہاں خود سچے علماء و مشائخ کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ سادگی کی زندگی گذارتے ہیں اور شریعت کے پابند ہیں۔ خلقِ خدا اور دین کی خدمت ان کا مشن ہے۔ نہ وہ کسی کے پیر ہیں اور نہ ان کا کوئی مرید ہے۔ لیکن میں نے دیکھا ہے کہ ان کے پاس آنے والے ان کا ایسا احترام کرتے ہیں کہ مرید اپنے پیر کا بھی نہیں کرتا۔

سید عبدالحفیظ شاہ کا اندازِ گفتگو دل میں گھر کرنے والا ہوتا ہے۔ وہ عام لوگوں کی طرح زندگی کے حوالے سے گفتگو کرتے ہیں۔ لوگوں کو اچھائی کی ترغیب دیتے ہیں اور برائی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ان کا لہجہ نہایت نرم و خوشگوار ہے۔ وہ کبھی جارحانہ گفتگو نہیں کرتے اور اسکا اندازہ قارئین کو یہ خطبات پڑھ کر بھی ہوگا۔

یہ خطبات درحقیقت ایک کیسٹ ریکارڈنگ سے لفظ بلفظ تحریری شکل میں منتقل کئے گئے ہیں چنانچہ اسکو خالص گفتگو سمجھ کر پڑھا جائے، کوئی منضبط تحریر سمجھ کر نہیں۔ جن صاحب نے اس کام کو کتابی شکل میں پیش کرنے کیلئے اعانت فرمائی ہے اللہ تعالیٰ ان کو دین و دنیا میں خوش رکھے اور اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

ہماری کوشش ہے کہ شاہ صاحب کی ریڈیو پاکستان سے نشر ہونے والی تقاریر کا مجموعہ ''چراغِ رسالت'' کے نام سے اور خطباتِ حفیظ کا دوسرا حصہ بھی جلد شائع ہو کر قارئین تک پہنچ جائے تاکہ رشد و ہدایت کا یہ سلسلہ جاری رہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری ان کوششوں کو بارآور فرمائے۔ (آمین)

سلیم یزدانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مراقبہ اور عرفان

جو عام طور پر مراقب ہوتے ہیں جن کو شیوخ تعلیم دیتے ہیں کہ اس طرح سے مراقب ہو، ان سے کسی نکتے پر اپنے ذہن کو جمانے اور ایک محویت کا عالم پیدا کرنے کو بٹھا دیتے ہیں۔ کپڑا وغیرہ ڈال دیتے ہیں۔ یہ لوگ خاموشی سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور اپنے ذہن کو کسی طرف لیجاتے ہیں۔ چاہے وہ سوئے کعبہ ہو یا سوئے مدینہ ہو۔ دراصل یہ ابتدائی اسٹیج ہے اور مراقبہ کی عادت ڈالنے کیلئے ایسا کرایا جاتا ہے۔ ورنہ مراقبہ جو ہے اس سے بڑا مختلف ہے۔

ہر شخص کی کچھ اغراض ہوتی ہیں۔ کچھ اپنی جدوجہد ہوتی ہے۔ میں نے مراقبے کو کچھ اس طرح سمجھا ہے کہ اگر ہم کسی نقطۂ نگاہ کو ذہن میں رکھ کر اس کے واسطے مراقبہ کریں تو وہ جو ہمارے شعور یا لاشعور میں ہے ظاہر ہے وہی ہمارے سامنے آئے گا۔ تو وہ ایک سوچی سمجھی چیز ہوگی جس سے عرفان کا میرے اپنے خیال میں کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ایک کوشش تھی اور اس کوشش سے جو ذہن میں تھا وہ طالب یا مراقب نے پایا۔

عرفان اس سے بالاتر چیز ہے۔ اب میرے اپنے خیال میں جس وقت آدمی مراقبہ کرنا چاہے تو اس کا چاہنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ مراقبہ کی حالت تو ایک کیفیت ہے جو کسی وقت طاری ہوتی ہے۔ اور وہ کیفیت یہ ہے کہ حواسِ خمسہ معطل ہو جائیں۔

جب آدمی سو جاتا ہے وہ خواب میں گھومتا ہے پھرتا ہے۔ یہی کیفیت جاگتے میں انسان اپنے اوپر طاری کرتا ہے یا جو طاری ہو جاتی ہے یا کسی مجاہدے اور ریاضت، اذکار یا فکر سے اس میں یہ کیفیت برپا ہوتی ہے تو یہ ایک وجدانی کیفیت ہے۔ وہ اپنے آپ سے جدا ہوتا ہے اور پھر وہ مشاہدات کرتا ہے۔ اس میں کوئی سوچ یا سمجھ نہیں ہوتی۔ جتنی اس کی صلاحیتیں ہیں وہ اس طرف چلا جاتا ہے اور وہاں سے جو کچھ حاصل کرتا ہے اضافی تعلیم ہوتی ہے، عرفان ہوتا ہے۔

جب طالب کی ہر حرکت جو ہے اللہ کے لئے ہے تو جب بندہ اللہ کی طرف بڑھتا ہے تو اس سے اتنی قربت ہوتی ہے کہ وہ جو کچھ بھی دیکھتا ہے، کرتا ہے تو وہ اللہ ہی کی طرف دیکھتا ہے اور بجز اس کے وہ کچھ نہیں دیکھتا ہے۔ جو دکھایا جاتا ہے اور اس کی صفات کا مشاہدہ کرتا ہے اگرچہ وہ ذات سے دور ہے لیکن اس کی صداقت اور پرتو دیکھا ہے۔

علم، جہاں تک تعلیم کا خیال ہے تو اصل جس کو آپ علم لدنی کہتے ہیں وہ کچھ سوت ہیں قلوب کے اندر جو اللہ نے رکھے ہیں اور جس کی آبیاری اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور وہ علم جو قلب پر طاری ہوتا ہے وہی علم لدنی کہلاتا ہے اور یہ علم مراقبے کے ذریعہ یا استغراق میں حاصل ہوتا ہے۔

بہت سارے افکار واذکار ایسے ہیں۔ میں افکار واذکار کو اس لئے ملا کر کہہ رہا ہوں کہ وہ جو شیوخ ہیں ان میں سے کچھ صرف فکر کو مراقبہ کا ذریعہ بناتے ہیں اور کچھ ذکر کو۔ یہ ان کے اپنے طریقے ہیں۔ دیکھئے چشتیہ سلسلے کے بزرگ عرفانِ رب کے حصول کے لئے کچھ اور کرتے ہیں اور قادریہ سلسلے کے شیوخ کچھ اور۔ آپ قرآن پاک کا مطالعہ فرمائیں اور سرکار دوعالم ﷺ کی ساری زندگی کا مطالعہ فرمائیں اور پھر اس کے بعد صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین کی زندگیوں کا تو اس میں مراقبے کی کوئی سند نہیں ملے گی۔ مراقبہ نہ کرایا گیا ہوگا، نہ کیا گیا ہوگا۔ جہاں تک میرے ناقص علم میں ہے۔

دراصل سرکار دوعالم ﷺ کے بعد جبکہ سلسلہ ختم ہوا نبوت کا تو اولیائے کرام نے دین کی تبلیغ اور روحانی ہدایت کا ذمہ سنبھالا۔ اور انھوں نے ہی قرب رب کے حصول کے لئے شاید مراقبہ کا طریقہ اختیار کیا۔ ان کے علم اور تجربے نے یہ سکھا یا کہ اس طرح روحانیت میں ترقی کی جاسکتی ہے اور اللہ کو دوست بنایا جاسکتا ہے۔ اب رہا یہ کہ دوسری قوموں میں کم وبیش اس قسم کی آپ کو تعلیمات ملتی ہیں جن میں یوگا ہیں یا اور دوسرے طریقے ہیں گیان دھیان کے، تو ہم میں اور ان میں فرق ہے۔ چونکہ ہم مسلمان ہیں۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا ہے تو ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم عرفان رب حاصل کرتے ہیں اور اُن کا مقصد یہ ہے کہ وہ عرفان رب حاصل نہیں کرتے بلکہ روحانی توانائی حاصل کرتے ہیں۔

سرکار دوعالم ﷺ جب تشریف لے جاتے تھے اللہ کے حکم سے اور وہ تھوڑی دیر کے لئے جدا (ڈس کنکٹ) ہو تے تھے، بالکل اطمینان سے آپ غار میں تشریف لے جاتے تھے۔ تو وہ اللہ کے رسول ﷺ جانتے تھے کہ کیا ہوتا تھا۔ لیکن جہاں تک ذکر اور فکر کا تعلق ہے قرآن کی دلیل ہے اس پر۔ ذکر وفکر سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا قرآن بھی اس بات کا شاہد ہے اور تعلیم بھی دیتا ہے فکر کی۔ باقی جہاں تک مراقبے کا سوال ہے کوئی واضح دلیل نہیں ملے گی کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے مراقبہ فرمایا یا صحابہ کرام نے کیا ہو۔ بلکہ میں تو یہ عرض کروں گا کہ حضرت عمرؓ کے دور میں ایک صحابی گھٹنوں میں سر جھکائے بیٹھے تھے تو آپ نے تھوڑی ناراضگی سے ان کے سر کو اٹھایا کہ اس طرح سے نہ بیٹھو۔ جنہوں نے اس واقعہ کو لکھا ہے اس سے مراقبے کی نفی کا پہلو نکلتا ہے۔

روحانی توانائی

یہ جسم کی توانائی کے لئے ہمیں جو وٹامنز درکار ہیں وہ ہم نے تلاش کر کے حاصل کئے اور ہم نے جب وہ اپنے جسم میں داخل کئے تو ہمیں توانائی ملی۔ تو بہت ساری ایسی چیزیں ہیں جو پہلے زمانے میں نہیں تھیں وہ اب آپ کو دواؤں کی صورت میں یا کسی اور قسم سے ملی ہیں جن سے انسانی جسم کو توانائی میسر ہو۔ جسم اور روح انسان کے لئے لازم ملزم ہیں۔ جب جسم انسان کا توانا ہوتا ہے تو وہ محسوس کرتا ہے کہ میں اچھا کھا رہا ہوں۔ خوش خوراک ہوں وٹامنز برابر مل رہے ہوں تو وہ توانائی محسوس کرتا ہے۔ بیمار جسم ہوتا ہے وہ بھی محسوس کرتا ہے۔ بیمار جسم کی علامت ہے کہ جو بہترین غذا کسی انسان کو پسند ہے

تو جب وہ بیمار ہو جاتا ہے تو اسکی طرف رغبت نہیں رہتی۔ تو یہ ایک علامت ہے اس کے بیمار ہونے کی۔

روح کی بیماری کا ٹوکن (علامت) یہ ہے دل کہ وہ عبادت کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ جب وہ کیفیت جسم میں برپا ہو تو انسان علاج کی طرف دوڑتا ہے۔ روح میں جب یہ کیفیت ہو کہ عبادت کی مائل نہ ہو تو انسان کو چاہئے کہ روح کے علاج کے لئے جدوجہد کرے۔ یہ انسان کا فرض ہے کہ جہاں جسم کو ڈولپ کر رہا ہے وہاں روح کو بھی ڈولپ کرے۔ جو روح کو صحت بخشتا ہے وہ عبادت اور اطاعت کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ اس میں ایک بڑی سیدھی سی حکمت ہے۔ یوں سمجھئے کہ بڑا آسان نسخہ ہے اور وہ یہ ہے کہ رزقِ حلال اور صدقِ مقال اختیار کرو، سچ بولو اور حلال کھاؤ۔ یہ ایک بنیادی اصول ہے یوں سمجھ لیں کہ آپ کے پاس ایک موٹر ہے اس میں آپ ریفائن یعنی صاف پٹرول ڈالتے ہیں۔ تو پٹرول جو ہے وہ فیول آف دی کار ہے بالکل اسکی طرح جسم میں آپ جو کھانا داخل کرتے ہیں وہ فیول آف دی باڈی ہے۔ تو آپ اب دیکھئے کہ اگر جس گاڑی میں آپ ریفائن پٹرول یا جس کو سپر کہتے ہیں آپ ڈالتے ہیں اگر آپ سے یہ کہا جائے کہ اس میں ڈیزل ڈالو تو آپ اپنی کار کی بقا کے لئے یہ فعل نہیں کریں گے۔ حالانکہ حیرت کی بات یہ ہے کہ کار وابستہ ہے آپ سے آپ کار سے وابستہ نہیں ہیں۔ ہمارے بدن کو جو فیول چاہیے وہ ریفائن ہونا چاہئے اور اس ریفائن فیول یا غذا کی نشاندہی یہ کہہ کر کر دی اللہ تعالیٰ نے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ یعنی حلال جو ہے وہ ریفائن ہے اور حرام جو ہے وہ ریفائن نہیں ہے۔ تو آپ کے جسم میں فیول ہی غلط داخل ہوا تو یہ طے ہے کہ جو کچھ اعمال و حرکات ہوں گی وہ صحیح نہیں ہوں گی۔ جس طرح جسم میں غلط غذائیں جانے سے لاغری اور بیماری لاحق ہو جاتی ہے۔ اسی طرح روح پر بھی یہ تکلیف اور بار ہوتا ہے اس میں توانائی نہیں ہوتی۔

اب سوال یہ ہے کہ روح کس طرح سے توانا کی جائے؟ تو پہلے یہ کہ رزق حلال کا انتظام کیا جائے اور سچ بولا جائے۔ پھر خود آپ کو محسوس ہوگا کہ آپ کی جو روح ہے اس کو توانائی حاصل ہو رہی ہے جس طرح آپ اپنے اس مادی جسم کو کہتے ہیں کہ یہ توانا ہو رہا ہے یا دیکھنے والے کہتے ہیں۔ آپ خود محسوس کریں گے کہ میری روح میں توانائی آ رہی ہے۔ آپ سچ بولیں گے تو سچے خواب دیکھیں گے۔ رزق حلال کھائینگے تو دعائیں قبول ہوں گی۔ یہ روز کا مشاہدہ ہے۔ روح پر چونکہ کھانے کا اثر ہوتا ہے اس لئے غذا ناقص ہے تو عرفانِ رب سے وہ انسان قطعی محروم رہتا ہے۔ یہ حتمی کلیہ ہے۔

رب کا عرفان

سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے خدا کو پہچانا۔ تو پہلے انسان جب اپنے آپ کو پہچاننے چلتا ہے تو وہ اپنے اندر دیکھتا ہے۔ میرے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ پہلے انسان اپنا عرفان حاصل کرے اور جب اس کو خود کا عرفان ہو جائے گا تو رب کا بھی ہو جائے گا۔ اور یہ کہ جیسا کہ میں کہتا ہوں کہ ہر چیز آپ کے اندر ہے تو یہ ایک ایسی

حقیقت ہے کہ رب تعالیٰ جب فرماتے ہیں کہ میں تمہاری شہ رگ کے قریب ہوں، تم جس طرف منہ اٹھاؤ میں موجود ہوں، سرکار سے مخاطب ہو کر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کہو اے حبیب ﷺ جو پکارنے والے ہیں میں ان کے بہت قریب ہوں۔ تو یہ قربت اس بات کی دلیل ہے کہ جب اس کو پکارا جائے گا تو وہ جواب دے گا۔ یہ استعارہ نہیں بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ رب تعالیٰ کس قدر قریب ہے۔ تو یہ ہے کہ جب آدمی بڑھنا شروع ہوتا ہے تو اس پر یہ باتیں منکشف ہوتی ہیں اور ابتدائی مراحل میں تو آدمی کو سخت محنت اور ریاضت اور مجاہدات اور اتباعِ شیخ کرنی ضروری ہے۔ بشرطیکہ شیخ کامل ہو۔

شیخِ کامل

شیخ کا میرا اپنا تصور یہ ہے اور حقیقت بھی ہے جس طرح سے عالم بالا میں یہ امر ہے کہ فلاں شخص جو ہے اس کو رزق فلاں جگہ سے ملے گا۔ بالکل اسی طرح طالبِ صادق کو اللہ تبارک تعالیٰ یہ بشارت دیگا کہ وہ تیرا طالب ہے اور وہ ضرور بیعت کرے گا۔ آپس میں اور باقی یہ جو بیعت آج کل کے زمانے میں ہو رہی ہے، دراصل ایک سیدھی سی بات ہے کہ ہم کسی پیشے والے کے پاس جا کر کچھ سیکھتے ہیں تو سال دو سال میں سیکھ جاتے ہیں۔ درزی کے پاس جائیں تو کپڑا سینا سکھا دے گا۔ موچی کے پاس جائیں تو موچی جوتے گانٹھنا سکھا دے گا۔ کسی لوہار کے پاس جائیں تو کچھ بنانا سکھا دے گا۔ تو حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جو اپنے آپ کو شیخ کہلاتے ہیں یا اپنے آپ کو اللہ کا ایسا بندہ جو خدا کے عرفان سے کسی سالک کو منسلک کر دے، ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن برسوں طالب کا وقت ضائع ہوتا ہے۔

ایک نکتہ عرض کر دوں کہ شیخ نے تو دھوکہ دیا ہے لیکن وہ طالب جو ہے چونکہ اس کی طلب صادق نہیں ہے اس لئے وہ بھی وہم میں مبتلا ہے اور محبت شیخ جو کچھ وہ محسوس کرتا ہے وہ اصل میں جھوٹا ردعمل ہے۔ جس طرح انسان کو جھوٹی بھوک لگتی ہے کھانے کو دل چاہتا ہے لیکن جب کھاتا ہے تو وہ ہضم نہیں ہوتا۔ تو یہ ایک اسرار ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ میں ایک شیخ کے پاس بیٹھا اور مجھے کچھ راحت میسر آئی دراصل وہ اس کا ایک شغل ہوتا ہے اور دنیا میں بہت سے ایسے اشغال ہیں جن میں جا کر آدمی تھوڑی دیر کے لئے گم ہو جاتا ہے اور پھر وہاں سے باہر نکلتا ہے تو پھر اس دنیا میں مشغول ہو جاتا ہے۔

تو عرض مدعا یہ ہے کہ اگر شیخ کامل ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ مرید کو پرہیز کرائے پھر اس کو عبادت و ریاضت کی ترغیب دے اور ایسے مجاہدے اور ریاضت نہ کرائے جس سے اس میں بیزاری پیدا ہو بلکہ رفتہ رفتہ اس کو شوق دلانا شروع کرے اور جب تک انسان کی فطرت ہے کہ بدتر سے بہتر کی طرف اس کو نہ دکھایا جائے تو وہ چلنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

مراقبہ واستغراق

اصل میں بنیادی لوازمات یہ ہیں کہ خالی ذہن ہونا ذہن میں کوئی چیز ہی نہ ہو لیکن مشروط تو یہی ہے مگر اس شرط پر میرا خیال ہے مراقبہ نہیں ہوتا۔

جب لفظ مراقبہ کہہ کر پیر نے کسی سے کہا کہ تم مراقب ہو جاؤ تو رعایتاً یا رسماً اس نے ایک کپڑا ڈالا اور خاموشی سے بیٹھ گیا۔ اور میں نے بارہا لوگوں سے کہا کہ بھئی کم از کم جو کیفیت تم پر طاری ہوتی ہے تم بتاؤ اس کی کوئی حقیقت بھی ہے یا نہیں تو مجھے اکثر لوگوں نے کہا کہ صاحب ہم تیاریاں کر رہے ہیں۔ پہلے ہم اپنے ذہن سے وہ تمام چیزیں نکالنے پر قدرت حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ خالی الذہن ہو جائیں۔

مراقبہ یوں سمجھ لیں ایک آسان سی مثال دوں آپ کو۔ اس میں ایک استغراق کی سی کیفیت ہوتی ہے۔ مستغرق ہو جانا ڈوب جانا۔ یہ جو ہر ہر وجود انسانی میں موجود ہے۔ ایک شخص اپنا گھر جانتا ہے۔ روز صبح و شام اپنے گھر میں جاتا ہے۔ اور (جب خیالات میں گم ہوتا ہے تو) اسی گھر کے سامنے سے گذر جاتا ہے تو وہ کہتا ہے میں بھول گیا۔ یعنی وہ اپنے میں نہیں تھا۔ اس وقت ہوش و حواس جو وہ تھوڑی دیر کے لئے منقطع ہو گئے تھے۔ یہی کیفیت جو ہے اگر اذکار اور فکر سے انسان میں واقع ہو جائے تو بغیر کسی ارادے کے وہ مراقب ہے اور اس کو پھر سیر ہوتی ہے یا اس کے حسب استطاعت علم ملتا ہے اس کو عرفان ملتا ہے اور اس سے وہ جب اپنے ہوش میں آتا ہے تو وہ بڑا مسرور ہوتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ میں نے اتنی دیر اللہ کی معیت میں گذاری ہے یا اللہ کے نیک بندوں، صالح بندوں کی صحبت میں گذاری ہے۔

حواس خمسہ

حواس خمسہ جو ہیں انسان کے اصل میں انسان کے دو حواس خمسہ ہیں۔ پانچ آؤٹر اور پانچ انر۔ اور کام دونوں کا اہم ہے۔ جب آدمی سو جاتا ہے تو پانچ حواس خمسہ آؤٹر خوابیدہ ہو جاتے ہیں۔ فائیو انر والے فائیو آؤٹر کو کام سونپ دیتے ہیں۔ جب وہ کام کرتے ہیں تو یہ جو حواس ہیں اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔ جب آدمی سو جاتا ہے اس کے بعد وہ کچھ خواب دیکھتا ہے کچھ واقعات دیکھتا ہے۔ خیالات اور تخیلات کے مطابق وہ کچھ دیکھتا ہے۔ جب یہ تسلیم ہے کہ آدمی سوتے ہی اپنے سے گذر جاتا ہے اور اس کی روح گھومتی پھرتی ہے۔ تو یہی کیفیت اگر انسان پر جاگتے میں طاری ہو جائے اور وہ اپنے آپ کو کاٹ لے ماحول سے اور حواس سے تو صحیح معنوں میں وہ کیفیتِ مراقبہ ہے۔

اب اس پر کوئی عرفان حاصل ہوا کسی ذکر سے مثلاً آپ حق کا ذکر کر رہے ہیں یا اسمِ ذات کا ذکر کر رہے ہیں یا کسی صفاتی نام کا ذکر کر رہے ہیں تو وہ اس کی جو تجلیات یا انوار ہیں وہ جب آپ پر طاری ہوتے ہیں تو چونکہ جسم انسانی میں اتنی

تو نائی نہیں کہ وہ ان کو پوری طرح سے وصول کر سکے تو حسبِ استطاعت آدمی وصول کرتا ہے اور اس سے وہ کسی حد تک سرشار ہوتا ہے یا کسی حد تک مدہوش ہوتا ہے یا کسی حد تک استغراق میں چلا جاتا ہے۔ یعنی اس کی نوعیت یہ کہ جس سالک پر یہ کیفیت ہوتی ہے وہ اس کو بہتر جانتا ہے۔ اور کیفیتیں جو ہیں وہ تو نہ قلمبند ہوتی ہیں اور نہ بیان کی جاتی ہیں۔ بہرحال الفاظ ضرور ہیں کچھ سمجھنے اور سمجھانے کے لئے۔ وہی میں عرض کر رہا تھا کہ استغراق جو ہے وہ ایک بنیادی شرط ہے یا حواس خمسہ سے علیٰحدگی جاگتے میں ایک شرط ہے مراقبے کی میرے اپنے خیال میں اور یہی ذریعہ ہے حصول علم کا حصول عرفان کا۔

اللہ کا نور

پہلی بات یہ ہے کہ اللہ کا نور جو ہے زمین اور آسمان پر محیط ہے۔ یہ تو سوال ہی نہیں ہے کہ وہ کہاں سے آتا ہے، کس طرح آتا ہے اس لئے کہ رب تعالیٰ ہمہ وقت جاگتے ہیں۔ ان کو اونگھ یا نیند نہیں آتی ہے اس لئے وہ ہمہ وقت بیدار ہیں اور انوار بھی۔ جبکہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ نور السموات والارض۔ میرا نور جو ہے وہ کرۂ ارض زمین و آسمان کو ڈھانپے ہوئے ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ہمیں کہیں تلاش تو کرنی نہیں پڑتی۔ جونہی ہم اپنے آپ کو پہچانتے ہیں تو یہ ہمارا ایک اسٹیج ختم ہوتا ہے اور پھر عرفانِ رب کی طرف ہم چل دیتے ہیں۔ عرفان رب کو ذات کے عرفان سے میں اس لئے علیٰحدہ کر سکتا ہوں کہ جو وہاں پہنچا ہے، جب وہ لوگ فنا فی اللہ کی منزل تک پہنچے تو جن کو پتہ چلا تو ان کا ہی پتہ نہ چلا۔ خدا ایسے لوگوں سے ہماری ملاقات کرائے اور وہ اپنے تاثرات بیان کریں تو ہم ان سے فائدہ اٹھائیں۔ باقی جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے جو کچھ مجھے آتا ہے بیان کرتا رہتا ہوں۔

اس موقعہ پر ایک صاحب نے سوال کیا کہ جب انوار کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جسم کا کون سا حصہ ان انوار کو جذب کرتا ہے۔ شاہ صاحب نے توقف فرمایا اور اس کے بعد سلسلہ کلام یوں شروع کیا کہ جب انوار ظاہر ہوتے ہیں تو یوں سمجھ لیجئے کہ جیسے آپ سخت گرم اور تپتے ہوئے ریگستان میں ہوں اور وہاں کسی ائر کنڈیشن کمرے میں داخل ہو جائیں تو موسم کی سختی سے آپ بے نیاز ہو جائینگے اور ایک خوشگوار موسم کا لطف آپ کو آنے لگے گا۔ حالانکہ یہ ہماری دریافت ہے، ہمارا بنایا ہوا ہے، ہم گرمی کی سختی سے بالکل علیٰحدہ ہو جاتے ہیں اس وقت تک جب تک ہم اس ایئر کنڈیشن میں بیٹھے رہیں۔ تو جب بندہ اللہ کی طرف بڑھتا ہے تو یہی کیفیت ہے کہ اس کرۂ ارض میں وہ ایک ایسے ایر کنڈیشن میں داخل ہو جاتا ہے اور وہ سارے ماحول سے کٹ جاتا ہے اور پھر وہ انوار سارے وصول کرتا ہے تمام جسم کا ہر موئے تن رسیو کرتا ہے۔ اب اگر آپ یہ پوچھیں کہ انوار کی وصولی کا مرکز جسم کا کون سا حصہ ہوتا ہے؟ یوں سمجھئے کہ جس وقت آپ پانی میں غوطہ زن ہوں تو آپ سے اگر میں سوال کروں کہ آپ کے بھیگنے کا مرکز کیا ہے تو شاید آپ بیان نہ کر سکیں۔

نوراور تجلّی

اس موقعہ پر حاضرین کے استفسار پر شاہ صاحب نے نوراور تجلی کا فرق بیان فرمایا۔کہا دومختلف نام ہیں انواراور تجلیات ۔مثال کے طور پر میں عرض کروں ایک آسان سی بات جس پر قرآن دلیل ہے۔حضرت موسی علیہ السلام نے تمنا کی کہ اے رب میں تجھے دیکھوں تو اللہ تعالیٰ نے کہا ان سے کہ اس پہاڑ کی طرف دیکھو۔وہاں پر اللہ کی تجلی ہوئی اور حضرت موسیٰؑ بے ہوش ہو گئے ۔تو اس سے دلیل تجلی کی یہ ہے کہ وہ براہ راست حضرت موسیٰؑ پر نہیں پڑی اور وہ تجلی صرف پہاڑ پر پڑی اور وہ پہاڑ جل گیا، وہ برداشت نہیں کر سکا اور موسیٰؑ بے ہوش ہو گئے حالانکہ نبی تھے۔

اب انوار کی تعریف یہ ہے کہ ہر مومن انوار عبادات اور اطاعت میں رسیو کرتا ہے۔ان کا قلب پر ورود ہوتا ہے ،دماغ پر ہوتا ہے۔نور وہ بشرے سے ظاہر ہوتا ہے۔آپ اکثر لوگوں کو کہتے ہیں کہ دیکھنا بھئی اس کا چہرا بڑا نورانی ہے۔تو ظاہر ہے کہ آپ جانتے تو نہیں نور کو۔آپ نے اپنی آنکھوں سے بھی نہیں دیکھا لیکن ایسا آپ کسی وجہ سے کہتے ہیں کہ فلاں کا چہرہ بڑا نورانی ہے اور فلاں کے چہرے پر پھٹکار برس رہی ہے؟ تو یہ دونوں چیزیں جو ہیں۔

آپ کو اس کا علم کیسے ہوا اور اس کی تعریف آپ کو کس نے بتائی ؟ تو یہ ایک القائے ربانی ہے اور اسکی بنیاد یہ ہے کہ رب تعالیٰ صبح کو دو فرشتے نازل فرماتے ہیں۔تو ایک فرشتہ صبح سے شام تک یہ کہتا ہے کہ اے لوگو! اللہ تبارک وتعالیٰ فلاں شخص سے خوش ہیں اور دوسرا فرشتہ کہتا ہے کہ اے لوگو! اللہ تبارک تعالیٰ فلاں سے ناراض ہے۔اور (کس) فلاں سے خوش ہے تو اس کی بہترین صورت یہ ہے معلوم کرنے کی کہ آپ کہیں چلے جارہے ہیں اور ایک شخص کو آپ نے دیکھا کہ جس کو زندگی میں نہ آپ نے کبھی دیکھا تھا نہ آپ اس کو جانتے تھے کہ یہ کون ہے۔اس کے چہرے کو دیکھ کر آپ کا دل اسکی طرف کھینچنے لگا۔آپ نے سوچا کہ بھئی میں اس کو سلام کروں، اس سے گفتگو کروں۔آپ کا بڑا دل چاہا کہ میں اس سے کچھ گفتگو کروں۔اور ایک چہرہ آپ نے ایسا دیکھا جس کو دیکھ کر آپ کے اندر نفرت کا احساس پیدا ہوا حالانکہ آپ نے اس کو کبھی پہلے دیکھا نہیں تھا پھر بھی آپ اس سے نفرت کرتے ہیں تو دراصل یہ رب العزت کی طرف سے ہے۔

مراقبہ کی تیاری

اس موقعہ پر حاضرین میں سے کسی نے شاہ صاحب سے مراقبہ کی تیاری کے بارے میں پوچھا کہ مرشد کس طرح مراقبے کے لئے تیار کرتا ہے۔آپ نے جواب میں کہا.....اور جو تیاری سے مراقبہ کیا جاتا ہے اس کو آپ یہ کہیں کہ جیسے پرائمری میں اس کی تعلیم ہو رہی ہے اور کب تک؟ یہ جب تک آدمی علم حاصل کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے اور اللہ کا اس پر فضل ہوتا ہے۔بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ جو دم غافل وہ دم کافر۔تو اللہ سے غفلت جو ہے تو وہ انھوں نے کفر کی ایک

علامت بتائی ہے۔تو جب اللہ کا وہ نیک بندہ اس کی سوچ، اس کا سونا چلنا جاگنا بیٹھنا اٹھنا کھانا پینا سب اطاعتِ رب میں ہے تو وہ ہمہ وقت اس کو سیر ملتی ہے اور اس درمیان میں اس پر یہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے یعنی مراقبہ کی۔

اللہ پر ایمان کیسا ہونا چاہئے؟

یؤمنون بالغیب پر اب کچھ عرض کروں۔ پہلے مثال دیتا ہوں کہ ایمان بالغیب..... پہلے ایمان ہے کیا چیز؟ میرے اپنے الفاظ میں جس کی تشریح میں اپنی زبان میں کرتا ہوں کہ ایمان دراصل محبت ہے۔

تو عرض یہ ہے کہ جب تک تم خدا سے محبت نہ کرو گے تمہارا ایمان مکمل نہیں ہوگا۔ محبت جو ہوئی ایمان کی بنیاد۔ اب ہم اس کو دیکھتے ہیں کہ رب تعالیٰ کس طرح سے ہمیں اس کی تعلیم فرماتے ہیں۔

ایک بچہ جس کی عمر سات سال کی ہے اس کی ماں نے اس کو یہ کہہ دیا کہ یہ تیرا باپ ہے تو اس نے اپنے باپ کی کبھی نفی نہیں کی۔ صرف ماں نے اس کو ایک دفعہ کہا کہ یہ تیرا باپ ہے اس نے ساری زندگی کے لئے اس بات کو تسلیم کر لیا اور اس کو کوئی شک وشبہ نہ رہا۔ اگر وہ صرف یہ یقین ہی کر لیتا اور اپنے باپ سے وہ محبت نہ کرتا تو اس کا یہ ایمان لانا جو تھا وہ مکمل نہیں تھا۔ اب دیکھیں آپ کا سات سال کا بچہ جب اس نے تسلیم کر لیا کہ یہ میرا باپ ہے تو اسے کوئی فکر نہ رہی۔ نہ اس کو اپنے کھانے کی فکر ہے نہ اسے اور کسی بات کی فکر ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میرا باپ کماتا ہے اور میں کھاتا ہوں یا میرا باپ دیتا ہے۔ اب یہ ایمان اس کو اس قدر یقین کے ساتھ ہے کہ وہ اس میں کبھی یہ سوچتا ہی نہیں کہ یہ میرا باپ نہیں ہے۔

تو اللہ نے یہ تعلیم فرمائی ہے کہ جب میں تم سے کہتا ہوں کہ میں تمہارا رب ہوں اور بار بار میں تم کو نظیریں دیتا ہوں تو تم اس طرح یقین کر لو جیسے سات سال کی عمر کا ایک بچہ اپنے باپ پر یقین کرتا ہے تو بچے نے جب باپ پر یقین کر لیا تو پھر یہاں سے ایک توکل منزل چلی گئی۔ یعنی وہ کچھ سوچتا ہی نہیں کہ میرا کھانا کہاں سے آئیگا، میں کس طرح سے رہوں گا۔ ایمان، محبت اور اس کے ساتھ توکل اگر ان تینوں چیزوں میں سے ایک بھی نہیں ہے تو میرے اپنے خیال میں ایمان بھی مکمل نہیں ہوتا۔

ہم جس چیز میں دیکھتے ہیں رب جلوہ گر ہیں۔ جب یہ واضح ہے اور اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ میں ہر جگہ موجود ہوں تو اب کون سی وجہ ایسی ہے کہ ہم اس پر ایمان لائیں کہ خدا کس جگہ نہیں ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ 'ہمہ اوست ہمہ از اوست' ۔ یہ دوسرا سوال ہے جس چیز پر کافی بحثیں ہو چکی ہیں۔ لیکن میں اس سے ہٹ کر یہ کہوں گا کہ ہمارے لئے یہ ہی کافی ہے کہ ہم اللہ کے اس طرح قائل ہو جائیں کم از کم (ذرا تھوڑا ادب سے گرا ہوا) ایک سات سال کا بچہ بالکل اپنے باپ کا قائل ہے حالانکہ اس کے پاس کوئی ایسی دلیل بھی نہیں ہے کہ یہ میرا باپ ہے یا نہیں۔ تو ایسے ہی ہم اگر اللہ کیلئے دلائل تلاش کریں تو ممکن ہے کہ ہم بھٹک جائیں۔ تو ہمیں **یؤمنون بالغیب** یعنی وہ چیز جو ہم سے غیب ہے یعنی ہمارے ادراک اور فہم میں نہیں

آرہی ہے ہم اس پر پورا پورا ایمان رکھیں کہ وہ ہے۔ تو یہ ہوئی ایمان کی تعریف۔

مراقبہ/استغراق اور احکامِ شریعت

جب آدمی اپنے سے علیحدہ ہو جاتا ہے تو زمان و مکان سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ مراقبے کے سلسلے میں جو تیاریاں ہیں یہ مقتدیوں کے لئے اگرچہ سودمند ہو سکتی ہیں یا نہیں ہو سکتی ہیں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جن لوگوں نے یہ کیا ہے، اس ذریعہ سے وہ کہاں پہنچے ہیں وہ بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ میں اپنے طور پر عرض کروں کہ یہ تیاریاں جو ہیں وہ حصولِ مقصد نہیں ہے بلکہ ایک زینہ تصور کرتا ہوں اور استغراق جو ہے وہ قطعی اختیاری نہیں اس لئے کہ استغراق خود اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ جیسا میں نے ابتداء میں عرض کیا تھا کہ آپ کے یہ اختیار میں نہ تھا کہ ایک گھر میں جو آپ کا گھر ہے دس دفعہ گئے ہیں آئے ہیں جب آپ پر استغراقی کیفیت ہوئی تو آپ اس گھر سے آگے نکل گئے جس کو آپ یہ کہتے ہیں کہ میں بھول گیا۔ حالانکہ بھولتے نہیں ہیں آپ استغراقی کیفیت میں ہیں۔ تو پتہ چلا کہ یہ آپ کے بس کی بات نہیں ہے یا آپ اس کو جان بوجھ کر طاری نہیں کر سکتے۔ یہ بالکل ایک حالت ہے جو آپ پر طاری ہو جاتی ہے اب اس کے اسباب کچھ بھی ہوں۔ یہ جو آپ کی بھول جس کو آپ کہتے ہیں، استغراق، یہ افکار کی وجہ سے ہو، پریشانیوں کی وجہ سے ہو، تو کیفیت آپ پر ہوئی کہ آپ اپنے گھر کا دروازہ بھول گئے۔ یہ کیفیت ہے کہ آپ اللہ کے ذکر میں ہیں، اللہ کی فکر میں ہیں تو اس وقت آپ پر یہ کیفیت ہوئی تو دونوں کیفیتیں جدا جدا ہیں۔ اب جب یہ کیفیت طاری ہوگی تو وہ آپ کے کنٹرول میں نہیں ہے۔ اب یہ بھی نہیں ہے کہ آپ اس سے واپس آسکیں۔ کسی حد تک آپ اس (کیفیت) میں رہیں۔ یہ کوئی حد نہیں ہے اس کی۔

بعض جس کو کہتے ہیں کہ صاحب جو چوبیس چوبیس گھنٹے تک عالمِ استغراق میں رہے، تو ان کا کوئی تعین تھا نہ انہوں نے اپنے آپ کو تیار کیا تھا چوبیس گھنٹے (کیلئے)۔ تو اس استغراق کی حالت میں لوگ نماز بھی نہیں پڑھتے جو کہ فرض ہے اور شریعت ساقط ہو جاتی ہے جب حواس خمسہ ساقط ہو جاتے ہیں۔ تو ایک دلیل ہے کہ حواس خمسہ ساقط ہو جاتے ہیں اس لئے شریعت بھی ان سے ساقط ہو جاتی ہے۔

میں ایک ایسی بات کہوں آپ سے کہ شریعت کا ایک اصول یہ ہے کہ جب آپ ہوش میں ہیں تو شریعت کا اطلاق آپ کی ہر حرکت پر ہے اور جب آپ اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہیں، حواس خمسہ آپ کے معطل ہو چکے تو آپ پر شریعت کا اطلاق نہیں ہے۔ ساقط ہو جاتی ہے شریعت۔ تو وہ کیفیت جو اس بزرگ پر، جس سالک یا مجذوب پر گذرتی ہے اگر وقت نماز اس کا گذر گیا اسے کوئی ہوش نہیں ہے تو اس سے باز پرس نہیں ہے۔ ہاں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ شریعت کی پابندی یہ ہے کہ جتنی نمازیں اُس کے استغراق میں گذر چکی ہیں وہ ان کی قضا پڑھے۔ سرکار دو عالم ﷺ کی شریعت کے

خلاف اگر کوئی شخص کرتا ہے تو وہ زندیق ہے ولی تو درکنار۔ ہمارے یاں یہاں تک کہا گیا ہے کہ جو نماز قصداً چھوڑتا ہے تو وہ حدِ کفر تک پہنچ جاتا ہے کجا کہ اس کا ولی ہونا۔

استغراق اور جذب

میں نے ایک مرتبہ عرض کیا تھا کہ بعض دفعہ انسان کے اندر ایسی چیزیں ہیں جو ایک دوسرے میں کنیکٹ (connect) ہو جاتی ہیں۔ اصل میں استغراق کا ایک end ہے اور اس کا شارٹ پیریڈ ہے۔ جذب کا نہ اتنا اینڈ ہے نہ اتنا شارٹ پیریڈ ہے۔ چونکہ استغراق جو تھا وہ بھی اختیاری نہ تھا، جذب جو ہے وہ بھی اختیاری نہیں ہے۔ لیکن پیریڈ میں اور ان کے حالات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ استغراقی کیفیت میں جو مبتلا ہے وہ بالکل ایک عارضی کیفیت ہے وہ اس سے عہدہ برآ ہو جاتا ہے۔ مجذوب جو ہے اس کا لامحدود دور ہے۔ نہ اس مجذوب نے خود جان کر یہ جذب مانگا تھا نہ وہ اس کے لئے تیار تھا اور بعض مجذوب بھی اس لئے ہیں کہ وہ عالمِ حیرت میں مبتلا ہو گئے۔ حیرت کا مطلب ہی یہی ہے کہ جس چیز کیلئے آپ تیار نہ ہوں وہ آپ کے مشاہدے میں آ جائے۔

موجودہ دور میں تصوف کی حقیقت

اور شیخ کے فرائض

میں ان تمام اصحاب سے جو میری گفتگو سنیں معذرت کے ساتھ یہ عرض کروں گا کہ فی الحال اس موجودہ دور میں تصوف کو ایک روایتی شئے سمجھتا ہوں کہ بہت ہی تجارتی قسم کی چیز ہو گئی ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ لوگ موجود نہیں ہیں۔ اللہ کا فضل ہے کہ موجود ہیں لیکن ہمارے بہت سے لوگوں کی طلب صادق نہیں ہے۔ اسی لئے وہ سچے لوگوں کے پاس نہیں پہنچ سکے ہیں جب کبھی طالب کو اس قدر بے چینی اور طلب صادق ہے تو پھر اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ میں بڑی ہدایت دینے والا ہوں اور اگر بندہ صرف اللہ کی طرف رجوع ہو جائے تو پھر اللہ اس کے لئے اسباب پیدا کرتا ہے اور یقیناً ایسا ہوا ہے اور ہوتا رہے گا اور ابھی بھی ایسا ہو رہا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ہم کس شخص کا ہاتھ پکڑیں جا کر۔ یہ آپ کا فرض ہے کہ آپ کسی پیرِ کامل جو کہلاتے ہیں ان کی صحبت میں چلے جائیں اور ان سے مختصر بات یہ کہیں کہ مجھے طلب صادق ہے۔ جونہی آپ یہ کہیں گے تو اگر وہ شیخِ کامل ہے وہ آپ کے اندر اتر کر یہ معلوم کر لے گا کہ آپ اس سے جھوٹ بول رہے ہیں یا سچ۔ اب جب شیخ کامل ہے تو جیسے ہی آپ کہیں گے مجھے طلب صادق ہے تو وہ آپ کا ہاتھ پکڑے گا اور کہے گا کہ بیٹھ جاؤ۔ یہ اس لئے کہ یہ اللہ کی طرف سے حکم ہے کہ جس شخص کو کوئی نیک بات معلوم ہے تو وہ دوسرے تک پہنچائے اور اس میں تاخیر نہ کرے۔

طلبِ صادق

جب ایک شخص طلب صادق لے کر ایک بزرگ کے دربار میں گیا اور اس کو وہاں پر وہ عرفان رب نہ ملا اور اس نے کچھ عرصہ وہاں پر گذارا اور وہاں سے وہ صرف ان کی صحبت میں رہ کر کورا چلا آیا تو اس میں شیخ کا قصور تو کم ہے اور جو طلب صادق رکھنے والا ہے اس کا قصور زیادہ ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اللہ کسی بندے کو مایوس نہیں کرتا اور جس طرح ہماری آمد سے قبل ہماری ماں کو دودھ عطا فرما دیا تھا ہماری بقا کے لئے حالانکہ ہم نے ایسی کوئی درخواست نہیں کی تھی رب تعالیٰ سے تو جب اس وجود کیلئے جو کہ خاکی ہے اس کیلئے رب تعالیٰ نے غذا مقرر کر دی ہے تو کیا روح کے لئے اس نے کوئی بندوبست نہیں کیا ہوگا؟

تو جس طرح اس عالم میں اپنی بقائے جسم کے لئے روزی تلاش کرتے پھرتے ہیں اور اس کی جدوجہد کرتے ہیں اگر ہم ایسی جدوجہد اپنی روح کی توانائیوں کے لئے کریں تو کیا صاصل نہ ہوگی؟ یہ صرف فقدان ہے ہماری طلب کا اور اس میں جو لوگ ہیں ان کو چاہئے کہ دیانت داری سے اگر کسی کو چلا سکیں تو بیعت لیں ورنہ اس کو منع کر دیں۔ میں سیدھی سی بات کرتا ہوں کہ ایک شیخ کے پاس گئے آپ اگر وہ صاحبِ باطن ہے تو وہ یہ دیکھ لے کہ یہ میرے بس کا روگ نہیں ہے۔ اسے کہہ دے کہ بھئی تو اپنا وقت میرے پاس خراب نہ کر کہیں اور چلا جا۔ اگر اسے چار پانچ سال رکھنے کے بعد یہ کہے کہ بھئی میں نے تجھے فلاں وظیفہ بتایا تھا، میں نے تیرے ساتھ ایسا کیا تو نے وہ پورا نہ کیا، تو نے کچھ نہ کیا، تو میں اس بات کا قائل نہیں ہوں۔

جب ایک مریض ایک ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے ڈاکٹر دیکھتا ہے کہ اسے مجھے اپنی کلینک میں رکھنا ہے اور اس کو دوا دیتا ہے۔ اب اگر مریض ڈاکٹر کے پاس سے بھاگ جائے تو یہ مریض کا قصور ہے۔ اب اگر مریض وہاں سے اور ڈاکٹر سے اچھا نہیں ہو رہا ہے تو ظاہر ہے کہ اس ڈکٹر کا قصور ہے۔ اس میں ایک نکتہ یہ ہے کہ یہ ایک فراڈ ہے۔

اللہ اس کو ہدایت دیتے ہیں جو طلب کرتا ہے۔ تو وہ طالب ہدایت لینے گیا تھا وقت خراب کرنے نہیں گیا تھا اور ہر شخص سے ایک ایک منٹ مرید کا حساب لیا جائے گا کہ تو نے اس کا وقت کیوں خراب کیا۔ لوگوں کو خدا فہم دے۔ سمجھنے کو یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے بڑا بوجھ ہے۔ لوگوں کو اگر دھوکہ دے کر دنیا میں سرخروئی حاصل کی تو آخرت میں وہ کیا جواب دیگا۔

میں ایک مثال سے شروع کرتا ہوں اس بات کو۔ ایک میلا کپڑا ہے تو اس کو آپ گرم کرتے ہیں اور اس کو صابن وغیرہ لگاتے ہیں اور پھر صاف کر لیتے ہیں صاف ہو جاتے ہیں۔ ایک کپڑا ایسا ہے جس میں تیل کے دھبے اور کولتار کے دھبے اور بہت ہی کچھ ایسا ہے تو اس کیلئے آپ مختلف طریقے استعمال کرتے ہیں اور اسے صاف کر لیتے ہیں۔ تو جب انسان اپنی صفائی قلب کی طرف متوجہ ہو، میں ہمیشہ یہ کہتا ہوں کہ کوشش تو یہ کرے کہ کوئی صاحب باطن اچھا شیخ ملے، اس سے بیعت ہو جائے اور وہ جو تعلیمات دے وہ لے۔

استخراج اسم الٰہی

لیکن اگر ایسا نہیں ہوتا تو ایک بنیادی اصول میں آپ کو بتاؤں۔ کائنات میں جتنی چیزیں آپ دیکھتے ہیں وہ اللہ تبارک تعالیٰ کے کسی نہ کسی اسم کی تجلی کے ساتھ اسکی بقا ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ بھی اس کائنات میں ایک فرد ہیں، ایک شے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ آپ کیلئے بھی کوئی اللہ تبارک تعالیٰ کا نام جس کی تجلی کے ساتھ آپ کی بقا ہے وہ ضرور ہوگا۔ اس کو کیسے معلوم کیا جائے؟

معلوم کرنے کا سیدھا سا طریقہ یہ ہے کہ اس کو استخراجِ اسم کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ آپ ان ناموں کو روزانہ صبح تلاوت فرمائیں، ورد کرلیں لیکن آہستہ آہستہ۔ تو آپ دیکھیں گے کہ ان ننانوے ناموں سے کسی تین یا چار ناموں پر گویا کشش ہوگی آپ کے لئے۔ تو آپ وہی تین چار جو نام ہیں، باقی کے سب چھوڑ کر، ان کا آپ ورد کرنا شروع کریں۔ ہفتہ نہیں گزرے گا کہ انشاء اللہ تعالیٰ جو آپ کا اسم ہے وہ خود بخود آپ کو معلوم ہو جائے گا یعنی قلب میں آپ ایک لذت محسوس کریں گے۔ تو وہ آپ کا گویا اسم ہوا اور وہ اپنے اوراد میں ڈال لیں۔

اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے جب آپ کو اسم مل جائے تو ایک لاکھ پچیس ہزار دفعہ اس کو آپ پڑھ لیں اور پڑھنے کے بعد گویا یہ اس کی زکوۃ ہوگئی۔ اب اس کو مجھ سے یا کسی ایسے درویش سے جو بیعت لیتا ہو اس سے جا کر آپ مشورہ کریں کہ بھئی میرا یہ اسم ہے میں اسے کس طرح سے پڑھوں، کس طرح اپنے ورد میں ڈالوں۔ تو وہ بتائے گا یا آپ کو موقع ہو آپ میرے پاس آئیں میں آپ کو بتاؤں گا کہ اس طرح سے آپ نے زکوۃ نکال دی ہے، اس طرح سے آپ اس کو پڑھیں اور آپ کو فتوحات ہونا شروع ہو جائیں گی۔ اور اس میں کوئی زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ جو چیز خود آپ محسوس کریں تو آپ سے بڑا شاہد کون ہوسکتا ہے کہ آپ نے ایک چیز کو اپنے اوراد میں ڈالا اور آپ نے دیکھا کہ آپ کے قلب پر وہ کیفیات کا ورود ہوا تو آپ سمجھ لیں کہ یہ بالکل حسب حال اور صحیح ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ جو اس کا اسم ہوگا وہ اس کو اپیل کریگا۔

ہم اللہ کو کیسے راضی کریں؟

آپ کا یہ فرمانا کہ اللہ میاں کو کیسے راضی کیا جائے اور یہ تمام باتیں کیسے حاصل کریں؟ تو پہلے میں مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کے ایک شعر کا ترجمہ عرض کروں۔ آپ فرماتے ہیں:

''کیا تم نے کبھی بچے کو روتے دیکھا ہے کہ وہ رو کر کس طرح اپنی ماں کو متوجہ کرتا ہے؟ تو نے اگر دیکھا ہے تو اے چالیس سال کے انسان تو اس سے سبق کیوں نہیں سیکھتا کہ تو اپنے مالک کو اس طرح متوجہ کرے''۔

دوسری بات آپ نے یہ فرمائی:

'کیا تم نے کسی گدھے کو کیچڑ میں پھنسے دیکھا ہے۔ اگر دیکھا ہے تو وہ ضرور اس کیچڑ سے نکلنے کی کوشش کر رہا ہوگا۔ تو اے انسان تو سے بھی زیادہ گیا گذرا ہے کہ دنیا کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے اور نکلنے کی کوشش نہیں کر رہا'۔

تو یہ دو تعلیمات ہیں مولانا رومؒ کی۔

جب بندہ اللہ سے توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کو معاف کر دیتا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر میں صرف معاف کر دوں تو کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ میں معاف بھی کرتا ہوں اور اسے انعام سے بھی نوازتا ہوں۔ اب دیکھئے آپ! سوچنے کی بات ہے کہ وہ عالم الغیب ہے اور وہ جان رہا ہے اور جانتا ہے کہ جس بات سے یہ توبہ کر رہا ہے کل وہ پھر وہی کرے گا۔ اسکے باوجود کون سا ایسا بڑا اس سے زیادہ صاحب ظرف ہے کہ یہ جاننے کے باوجود اس کو معاف کرتا ہے۔

تو اللہ تبارک تعالیٰ کو منا لینا میرے اپنے تجربے میں یہ ہے کہ کسی بھی انسان یا کسی چیز کو منانے سے زیادہ آسان ہے کہ آپ اس کو منا لیں۔ منے گا جب اس کی مان لو۔ اس کو آپ کی عبادت کی ضرورت ہے نہ آپ کے روزوں کی ضرورت ہے۔ نہ آپ کی اطاعت کی ضرورت ہے نہ آپ کی ضرورت ہے کہ بھئی تم عبادت کرو۔ وہ صرف تمہاری بقا اور فلاح و بہبود کے لئے تمکو بتایا ہے وہ تم کرتے ہو۔

ذرا غور فرمائیں آپ کہ اچھے والدین جب بچوں کی تربیت کرتے ہیں تو عموماً ان کا مستقبل ان کے پیش نظر ہوتا ہے اور اپنا مفاد نہیں ہوتا۔ جب بچپن سے کہتے ہیں کہ تمہارے لئے ہے تم کرو گے تم اچھے رہو گے۔ اگر تم اچھے کام نہ کرو گے یا ہماری فرمانبرداری نہیں کرو گے تو تم خوار ہو گے، تم تکلیف اٹھاؤ گے دنیا میں۔ اگر بچے سعادت مند ہیں تو وہ اپنے ماں باپ کی بات مانتے ہیں۔ یہ بتا دوں آپ کو میں نے سروے کیا اس بات کا کہ جن لوگوں کے ماں باپ ان سے ناراض اس دنیا سے چلے گئے ہیں وہ اس دنیا میں کبھی خوشحال نہ ہوئے۔

قلب کی صفائی.....رزق حلال رصدق مقال

تطہیر قلب سے مراد: سب سے پہلے بات یہ ہے کہ یوں سمجھ لیں کہ ایک بیمار ہے اور وہ ایک ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے تو ڈاکٹر اس کی صحت کی بقا کے لئے یا اس کی صحت پیش نظر وہ اس کو بتاتا ہے کہ بھئی تم یہ پرہیز کرو اور یہ دوا لو۔ آپ اپنی صحت و عافیت کے پیش نظر اس کی بات کو قبول کر لیتے ہیں اور ایسا ہی کرتے ہیں تو آپ روبہ صحت ہوتے ہیں، صحت کی طرف بڑھتے ہیں۔

اب اسی طرح رب تعالیٰ کی طرف بڑھنے کے لئے یا اطمینان قلب حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلی بات جو بنیادی ہے وہ صدق مقال اور رزق حلال ہے اگر یہ دو باتیں میسر نہیں ہیں تو آگے کی سب باتیں فضول ہیں۔ ہمیں بڑی احتیاط سے قدم اٹھانا چاہئے۔ گو اس وقت رزق حلال بہت کمیاب ہے نایاب نہیں ہے۔ لیکن وہ قلیل ہے جس کی طرف سے

لوگ رغبت نہیں کرتے حالانکہ حلال میں برکت ہے۔

اب یہ ہے کہ آپ کوشش کریں کہ سچ بولیں اور کوشش کریں کہ رزق حلال ملے۔اب آپ کسی محکمے سے متعلق ہوں تو زیادہ اس کی گہرائیوں میں نہ جائیں۔آپ یہ دیکھیں کہ آپ اتنی محنت کرتے ہیں تو آپ کو اتنا معاوضہ مل رہا ہے۔ اب اس میں فرض کیجئے کہ آپ اپنے دفتری اوقات میں اپنا کوئی کام کررہے ہیں یا یہ کہ آپ زیادہ وقت باہر گزار رہے ہیں یہ سب آپ کے رزق کو خراب کررہے ہیں اور وہ حلال نہیں ہوتا۔

تو رزق حلال صدق مقال بنیادی چیزیں ہیں اور اس کے آگے پھر اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میں کسی بندے کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہوں تو سب سے پہلے میں اس کے دل پر کمند ڈالتا ہوں اور اس کو احساس گناہ شروع ہو جاتا ہے اور پھر وہ توبہ کرنے کے بعد نوافل کی راہ سے وہ میری طرف بڑھتا ہے۔تو اللہ توفیق دیتا ہے بندے کو وہ اللہ کی طرف بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔

تطہیر ضروری ہے۔عبادت ہوتی ہے تطہیر قلب کے لئے اور تطہیر کا مطلب صرف یہی نہیں کہ آپ نے وضو کرلیا۔ لوازمات وضو بھی آپ دیکھیں کہ پانی پاک ہو۔جہاں پر آپ نماز پڑھ رہے ہوں وہ جگہ پاک ہو، وہ مصلیٰ پاک ہو۔یہ تمام انتظامات ہیں تطہیر قلب کے لئے۔آپ سچ بولیں، حلال کھائیں اور عبادات و اطاعت کریں تو ظاہر ہے کہ وہ تطہیر قلب ہونے کے بعد پھر آپ کا قلب اطمینان کی طرف خود بخود چل نکلتا ہے۔مسجد کی طرف آپ جانا شروع کریں گے تو اگر گھر سے وضو کر کے چلے تو یہیں سے آپ کو اجر ملنا شروع ہو گیا اور اگر آپ نے مسجد میں جا کر وضو کیا ہے تو پھر وہاں سے وضو کا نور اور وضو کا اجر اسی وقت سے آپ کو ملنا شروع ہوا۔

مسجد کیا ہے؟

اور یہ ہر مسلمان سمجھ لے کہ حالانکہ مسجد سب کہتے ہیں کہ اللہ کا گھر ہے۔اللہ تو مکان و زمان سے پاک ہے لیکن یہ ہم اپنی توجہ کو مرکوز کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ مسجد اللہ کا گھر ہے کہ ہم وہاں جائیں تو ہم پر ایک تقدس اور احترام کا جذبہ طاری ہو جائے۔نماز تو آپ کے گھر میں بھی ہوتی ہے۔لیکن کیونکہ یہ ایک رابطہ ہے اور یہ سبب ہے ان اسبابوں میں سے کہ آپ کی توجہ جو ہے وہ اس کی طرف ہو جائے۔

روح اور مادّہ

اب میں اس سلسلے میں دو باتیں عرض کروں گا پہلی بات یہ کہ فرض کیجئے جسم دو چیزوں سے گویا ترتیب ہے..... ایک روح ہے اور ایک مادہ ہے۔ایک شخص نے مادے کی ترقی کرنے کی ورزش شروع کی اور اسی حساب سے غذا کھانی

شروع کی نتیجتاً اس کا جسم فربہ ہونا شروع ہوا وہ اس حد تک ہوا کہ وہ پہلوان کہلایا۔ تو جب آپ اس سے ہاتھ ملائیں گے تو آپ کو پتہ اس کی جسمانی برتری کا فوراً ہی چل جائے گا چاہے اس سے کوئی متعارف کرائے، نام لے یا نہ لے۔ بہرحال کم ازکم یہ فیصلہ اسی وقت ہاتھ ملاتے ہی کر لینگے کہ یہ جسمانی طور پر مجھ سے زیادہ طاقتور اور تنومند ہے۔

روح جسم سے کہیں زیادہ طاقتور ہے اور جب کسی روحانی آدمی سے آپ ہاتھ ملائیں گے تو کوئی وجہ نہیں، جیسے کوئی خوشبو یا ایسی لطیف چیز اثر انداز ہو دماغ اور دل پر، اسی طرح سے اس شیخ سے یقینی طور پر آپ متاثر ہونگے اور وہ آپ کے ذہن اور فکر پر چھا جائے گا۔ آپ اپنی بات اس کے سامنے نہیں کر سکیں گے۔ وہ جو چاہے گا آپ سے کہلوائے گا۔

یہ تو جدید سائنس ہے۔ انتقال خیال کی گویا ایک تھوری ہے۔ میں آپ اور سب جانتے ہیں یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ تو پیر کامل کے یہ حقیقی اختیار میں ہوگا کہ وہ اپنے خیال کو آپ کے خیال میں سمو دے اور یہ کہ آپ کو یہ دیکھے یمانداری سے کہ میں اس طالب کو چلا سکتا ہوں یا نہیں۔ اگر آپ نے یہ طے بھی کر لیا کہ واقعی یہ شیخ کامل ہے اور آپ نے محسوس بھی کر لیا تو وہ یہ کہے گا کہ بھئی تمھارا حصہ میرے پاس نہیں ہے تم کہیں اور جاؤ۔ دیانت کی بات یہی ہے۔

اللہ پر بھروسہ

دیکھئے سات سال کا بچہ صرف بھروسہ کرتا ہے اپنے والدین پر اور کچھ نہیں۔ نہ اس میں قناعت ہے نہ اس میں صبر ہے نہ اس میں اس قسم کی کوئی چیز ہے۔ صرف اس کا ایمان ہی ہے کہ میرے ماں اور باپ ہیں اور میں بے فکر ہوں، جب تک یہ زندہ ہیں مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ کیوں؟ وہ جتنی اس کی عقل ہے وہ اس حساب سے کہتا ہے۔ جب ہم اللہ کی طرف بڑھیں گے اس پر بھروسہ کریں گے، جب اس نے کہہ دیا کہ 'جس نے مجھ پر بھروسہ کیا میں اس کے لئے کافی ہوں' تو جب رب پر بھروسہ ہی کر لیا تو قناعت صبر یہ ساری چیزیں اس کے اندر ہیں۔ بنیاد تو یہی ہوئی کہ پہلے آپ رب کو رب مانیں۔ جب رب مان لیا آپ نے تمام مسائل حل ہو گئے۔ جب بنیادی طور پر ہم رب کو اس طرح رب نہیں مانتے جس طرح ماننا چاہیے تو ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں ہم سے دور ہیں، علیحدہ ہیں۔ اب پھر ہم اس کو جمع کرنا شروع کریں گے تو شیطان پھر ہم کو کس طرف لے جائے گا؟

اصل میں یہ ہے غفلت اور غفلت یہ دنیاوی نہاک ہے اور پھر دنیاوی انہماک میں وہ اصول اخلاق کے جو شروع سے متعین کئے تھے اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو پار کر کے گیا ہے جب اس کو وہاں سے واپس لانا ہے چاہے اس کو شیخ اپنی کشف یا کرامت یا کسی طرح سے اس کو واپس لائے یا اس سے ہی کوئی اس قسم کی ریاضت کرائے کہ وہ اس مجاہدہ اور ریاضت کی جگہ آجائے جہاں اللہ کے حدود شروع ہوئے ہیں۔ اس لئے سلسلے میں یہ ہوتا ہے کہ پہلے فنافی الشیخ کا راستہ ہے، صرف اس لئے کہ اس کی توجہ کا اسٹیج بن جائے اور جب وہ (شیخ) اس قدر رگ و پے میں پیوست ہو تو ظاہر ہے کہ اس کا دماغ

ادھر ادھر نہیں جائیگا۔ فنافی الرسول اور فنافی الرسول کے بعد فنافی اللہ میں تو جب آدمی چلنا شروع ہو جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ منزل آسان کر دیتے ہیں اور اسے منزل مل جاتی ہے۔

اب ایسا نہیں ہے کہ آپ نے نماز پڑھی اور پھر پڑھ کر آئے اور باہر جھوٹ بول رہے ہیں۔ حج کر کے آئے اور پھر اسمگلنگ شروع کر دی۔ رزق حلال اور صدق مقال پہلے تو بنیادی چیزیں ہوئیں۔ اب اس کے بعد آپ جو اطاعت اور عبادت کر رہے ہیں، حج کر رہے ہیں، زکوٰۃ دے رہے ہیں یہ شعبہ زندگی۔ تو جیسے شعبۂ زندگی کے لئے حوائج ضروری لگے ہوئے ہیں کہ آپ روٹی کھاتے ہیں، پانی پیتے ہیں، طہارت کرتے ہیں۔ تو یہ ساری چیزیں جو ہیں حوائج ضروریہ ہیں۔ آپ تمام وجود کو اللہ کی اطاعت میں جھکا دیں یہ اللہ چاہتا ہے آپ سے۔ یہ نہیں ہے کہ آپ نے صرف داڑھی رکھ لی اور آپ دین سے فارغ ہو گئے کہ میں سنت ادا کر لی۔ داڑھی ایمان نہیں ہے۔ یا ایک نماز پڑھ لی، وہی صرف ایمان نہیں ہے۔ یہ توکلّی سپردگی ہے تمام ان چیزوں کو ہم نے قبول کیا ہے۔ یعنی اسلام میں پورے پورے داخل ہوئے ہیں۔

جیسا کہ میں ایک مثال دیتا ہوں آپ کو۔ ایک لڑکی بیس سال کی، جب اس کی شادی کرتے ہیں تو نکاح میں تین مرتبہ کہتی ہے کہ میں نے قبول کیا فلاں شخص کو اور اب وہ شوہر کے گھر چلی گئی۔ تو کوئی عورت پھر نہ وہ ماں باپ کی محبت کو دل میں رکھتی ہے، نہ اپنے پڑوسیوں کی محبت رکھتی ہے، نہ اپنے گھر سے محبت رکھتی ہے، نہ اپنے بھائیوں سے محبت رکھتی ہے۔ اس لئے کہ اب غیر شوہر کی محبت جو ہے وہ اس کیلئے اس شوہر کے یہاں کامیاب زندگی گزارنے میں مانع ہے۔ تو یہ ہے، اس کا ٹوٹل سب میشن۔ مثال کے طور پر اس کا سنگھار کرنا وہ شوہر کے لئے ہے۔ روٹی پکانا شوہر کے لئے۔ اب اگر بچے ہیں تو بچوں کی دیکھ بھال شوہر کے لئے ہے۔ یعنی اس کا ہر فعل۔ اب وہ سو رہی ہے تو شوہر کے لئے سو رہی ہے یا کپڑا سی رہی ہے یا جو کچھ کر رہی ہے بہر حال ہر ادا جو ہے اس کی ہمہ وقت وہ اس بات میں لگی ہوئی ہے۔

تو یہ تو ایک تم کو نظیر بتائی ہے کہ ایک عورت اپنے مالک مجازی کے سپرد ہو کر اپنا ہر لمحہ اس کی یاد اور فکر میں گزارتی ہے۔ تو یہ انسان روز لا الہ الا اللہ پڑھتے ہوئے بھی اس سے دور ہوتا ہے۔ اس عورت نے تین دفعہ کہا تھا کہ میں نے قبول کیا اور تم سینکڑوں دفعہ اور لاکھوں دفعہ کلمہ پڑھتے ہو تو تم اس طرح کیوں حوالے نہیں ہوتے ہو اپنے مالک حقیقی کے۔ اور قرب رب ہی مقصود مؤمن ہے۔

اللہ کے دوست

اہل ایمان وہی ہے جو اللہ کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اسے دوست رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ ولی الذین آمنوا (اللہ ایمان والوں کا دوست ہے)۔ اور یہ اللہ کے دوست کون ہیں؟ یہ وہ صالحین ہیں جنہیں قرب رب حاصل ہے اور فنافی اللہ ہو گئے ہیں۔ درحقیقت ولایت جس کو کہتے ہیں وہ ہے ذات باری میں بندہ کا فنا ہونا۔ اس سے یہ

ہر گز نہ سمجھنا چاہیے کہ بندہ کلی طور پر مفقود ہو جاتا ہے بلکہ وہ بشریت کی جہت کو اللہ کے لئے قربان کر دے۔ جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے' ولکل وجھة مولیھا ' (ہر شخص کو ایک جہت ہے)۔ اللہ ہی اس جہت کو پھیرنے والا ہے اور جب اللہ اس جہت کو پھیر دیتا ہے تو بندہ ذات باری میں فنا ہو جاتا ہے۔

آخر میں ایک بات عرض کروں کہ بنیادی چیز ہے ایمان ۔ اگر ایمان ہو گا تو عرفان رب بھی ہو گا۔ اللہ کی قربت بھی ہو گی، ادراکِ ذات وصفات کی امانت بھی ملے گی۔ اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے سورۂ عصر میں فرمادی ہے کہ' زمانے کی قسم! انسان درحقیقت بڑے خسارے میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔' اب جب بات پائے تصدیق کو پہنچ گئی کہ ایمان بنیادی شرط ہے تو پھر ہم ذاتِ باری پر اس طرح ایمان کیوں نہیں لاتے جس طرح لانے کا حق ہے؟ اور Total submission یعنی اپنے آپکو عملی طور پر اللہ کے سپرد کیوں نہیں کرتے؟ کیونکہ جب تک ہم ایسا نہیں کریں گے ہم عرفان حق تو درکنار صحیح مسلمان ہونے کے اہل بھی نہیں ہوں گے۔ اس کے لئے ہمیں اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنا ہو گا اور اسوۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کرنا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سبکو اپنے رنگ میں رنگ دے کیونکہ وہی سب سے بہتر رنگ ہے۔ (آمین) معلوم ہونا چاہئے کہ حیا مقربین کا سب سے پہلا مقام ہے جس طرح توبہ متقیوں کا پہلا مقام ہے۔

مراقبہ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

مراقبہ کے متعلق جو کچھ میں عرض کر چکا ہوں یہ ضروری نہیں کہ آپ مجھ سے متفق ہوں۔ لیکن میں یہ ضرور چاہوں گا کہ آپ میرے کلام کے بعد تشنہ نہ رہ جائیں۔ اس لئے میں حضرت امام غزالیؒ کے فرمودات بطور دلیل پیش کرتا ہوں:

☆......مراقبہ کی غایت حیا اور انتہا احسان ہے۔

☆......مراقبہ کے دو درجہ ہیں......صدیقین اور اصحاب یمین۔

☆......صدیقن کا مراقبہ تعظیم واجلال ہے، وہ یہ کہ قلب مستغرق جلال رہے اور ہیبت سے شکستہ ہو تا کہ کسی کی طرف ملتفت نہ ہو سکے۔ اس مراقبہ میں ثواب پر نظر نہیں ہوتی کیونکہ دل محسور رہتا ہے۔ اعضاء بھی مناجات کی وجہ سے معطل ہو جاتے ہیں چہ جائیکہ کسی طرف دیکھیں۔ طاعات عادات بن جاتی ہیں۔ لہٰذا کسی تدبیر واہتمام کی ضرورت نہیں رہتی۔

☆......اصحاب یمین کے متقی لوگ: ان لوگوں کی نظر اس بات پر رہتی ہے کہ اللہ ان کے ظاہر و باطن پر اطلاع رکھتا ہے مگر ان کے قلوب جلال سے مدہوش نہیں ہوتے بلکہ حدِ اعتدال پر رہتے ہیں اور احوال واعمال پر نظر رکھتے ہیں۔

☆☆☆